

لمحہ فکریہ

تاریخی اور یاں اور ملکی حالات پر مرثیہ گوئی سے بہت بہتر ہے کہ ہم سوچیں، تدبر کریں۔ پتہ چلا کیں کہ ملکی اور اجتماعی طور پر ہمیں کس عفرب نے جکڑ لیا ہے کہ ہر شعبہ مخدوم ہو چکا ہے۔ تزلی کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ اسلیے کہ یہ لفظ ہمارے عظیم ملک میں اپنے معنی کھو چکا ہے۔

کوئی ایک پیانہ لے دیجئے۔ اس پر تعصب کے بغیر تحقیق کیجئے۔ معاملات سمجھ آنے شروع ہو جائیں گے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان اور ہم ایک ساتھ آزاد ہوئے مگر تمام کمزور یوں کے باوجود وہ ملک بھر پور ترقی کر رہا ہے۔ وراثہ بینک کے مطابق ہمسایہ ملک کی ترقی کی شرح ساتھ فیصد ہے۔ صنعتی ترقی کو جانے دیجئے۔ کیونکہ ہمارے دماغوں میں بٹھا دیا گیا ہے کہ بنیا بہت عمدہ سا ہو کار ہے۔ عیار مہاجن بھی ہے اور قرض خور بھی۔ یہ وہ عامیانہ خیالات ہیں جو ہمیں بچپن سے بتائے جا رہے ہیں۔ مگر لفظوں کی جنگ بے معنی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان اس وقت صنعتی ترقی کی دوڑ پر سر پٹ دوڑ رہا ہے۔ تھوڑا سا ہٹ کر ایک اور سمت کی طرف دیکھیے۔ گزشتہ ڈیڑھ دو سالوں میں دنیا کا کوئی ایک ملک نہیں، جس کا صدر یا وزیر اعظم انڈیانہ آیا ہو۔ اس میں یورپ سے لیکر افریقہ اور سلطی امریکہ سے لیکر ایشیاء کا ہر قابل ذکر لیڈر شامل ہے۔ جاپان کے وزیر اعظم سے لیکر کینیا کا صدر اور اسرائیل سے لیکر یوائے ای کا ولی عہد، سب فرداً فرداً اس ملک میں آئے ہیں۔ اہم بات یہ بھی ہے کہ ان میں سوائے ترکی کے صدر کے ایک بھی رہنمایا پاکستان نہیں آیا۔ شائد پوری دنیا کے ہمارے متعلق شدید تحفظات ہیں۔ تھوڑی دیر کے لیے ہمسایہ ملک کو رہنے دیجئے۔ بنگلہ دیش تو ہمارے ملک کا ہی حصہ تھا۔ وجود آنے پر اسکی صنعتی ترقی کی شرح انتہائی معمولی تھی۔ قابل ذکر تک نہیں تھی۔ آج اسکی ترقی کی شرح 7.11 فیصد ہے۔ یعنی یہ غیر معمولی ہدف ہے جسے بنگلہ دیش جیسے نو زائدہ ملک نے بھی اپنی مشکلات کے باوجود حاصل کیا ہے۔ اسکے بالکل برعکس باکیس کروڑ کا ہمارا ملک تین فیصد سے پانچ فیصد ترقی کے ہدف پر لڑ کھڑا کر چل رہا ہے۔ دوڑ نے کا تو خیر سوال ہی نہیں ہے۔

ٹھنڈے دل سے سوچیے تو ہمارے جمود کی بہت سے وجوہات ہیں۔ آج کل کرپشن پر بہت زیادہ بحث ہے۔ ہر وقت ماہرین اور اکابرین اس پر مباحثہ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ باقی سن کر طبیعت اکتا جاتی ہے۔ درست ہے کہ کرپشن بہت ہے۔ مگر کرپشن تو ہندوستان اور بنگلہ دیش میں بھی ہے۔ پھر وہاں ترقی کیوں ہو رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو اچھا نہ لگے۔ مگر پاکستان جیسا ملک تو چل ہی کرپشن پر رہا ہے۔ بلیک اکانومی ہمارے ملک کی اصل معیشت ہے۔ باقی وعظ اور نصیحتیں ہیں۔ جن پر کوئی بھی عمل کرنے کیلئے تیار نہیں۔ وزیر اعظم اور وزیر خزانہ تک نہیں۔ سوال ہے کہ اگر کرپشن کے باوجود باقی ممالک ترقی کر رہے ہیں، تو ہمیں بریک کہاں اور کیونکر لگی ہے۔ اس سوال کے جواب کی بہت سی جھتیں ہیں۔ سب کچھ تو مختصر سے کالم میں عرض نہیں کر سکتا۔ مگر بنیادی نکات پر تھوڑی سی بات ہو سکتی ہے۔ ہندوستان اور بنگلہ دیش کے اندر حیرت انگیز مماثلتیں ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے ریاستی امور کو مذہب سے الگ کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ بی جے پی کی حکومت جتنا مرضی زور لگائے، وہ اس ملک کے سیکولر شخص کو ختم نہیں کر سکتی۔ درست

ہے کہ وزیر اعظم مودی کی موجودگی میں "ہندوستان" اور "سنگ پر یوار" کوئی زندگی ملی ہے۔ وہاں مسلمان اور مسیحی اقلیتوں کے ساتھ سلوک انہائی مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اسکے باوجود انکا آئین اور سپریم کورٹ اس فلسفہ پر قائم ہیں کہ فکری اور قانونی طریقے سے ریاستی امور کسی بھی مذہب کے زیر اثر نہیں ہونگے۔ حالیہ مثال تاج محل کی ہے۔ صوبائی حکومت نے اس عظیم شاہکار کو سیاحوں کی پسندیدہ فہرست سے نکال دیا تھا۔ وجہ صرف یہ ہے کہ بنانے والا ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ مگر انہی عدالتوں نے صوبائی حکم کے بالکل خلاف فیصلہ دیا۔ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انڈیا نے اپنی سوسائٹی میں ایک "سیفی ولیو" رکھا ہوا ہے جہاں اس امر کو ضمانت حاصل ہے کہ ریاست کے معاملات مکمل طور پر کسی بھی مذہبی فلسفہ کے مطابق طے نہیں ہونگے۔ یہ الگ بات ہے کہ بی جے پی کی موجودہ حکومت، اسکے برعکس کام کرنے میں مصروف ہے۔ بعینہ یہی حال بغلہ دلیش کا ہے۔ اس ملک نے آزاد ہوتے ہی اپنا آئین بنایا۔ 1972 کی بات ہے۔ اس آئین کو چار بینیادی اصولوں پر ترتیب دیا گیا۔ اس میں پہلا اصول ہی یہ تھا کہ ریاستی امور اور مذہب میں کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ یعنی بغلہ دلیش ایک سیکولر ملک ہوگا۔ لفظ سیکولر استعمال کرتے ہوئے بھی الجھن ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے ماہرین نے سیکولر کا مطلب "لادین" کر دیا ہے۔ جو کہ معنوی لحاظ سے حقیقت سے بہت دور ہے۔ یاد رہے کہ بغلہ دلیش مکمل طور پر مسلمان ملک ہے۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد نوے فیصد ہے۔ یعنی وہاں کے رہنے والے ہماری طرح کے مسلمان ہیں۔ مذہبی فکر کے حساب سے بالکل ہمارے جیسے ہیں۔ پھر کیا ضرورت پیش آئی کہ ایک سیکولر آئین بنائیں۔ چیزیں، ہندوستان میں تو ہندوؤں کی تعداد ایک ارب سے اوپر ہے اور وہاں مسلمان صرف تیرہ فیصد ہیں۔ مگر ہمارے ہی ملک سے آزاد ہونے والے حصے نے اپنے آئین میں اتنی جو ہری تبدیلی کس وجہ سے کی۔ کیونکر کی اور آج بھی اس پر قائم کس طرح سے ہیں۔ بالکل اسی طرح ملائشیا بھی ایک مسلمان ملک ہے۔ اس میں اکٹھ فیصد مسلمان ہیں۔ اسکا آئین بھی مکمل اسی طرح ہے جس لفظ سے ہم چڑھتے ہیں۔ بلکہ نفرت کرتے ہیں۔ یعنی ملیشیاء ایک مسلمان ملک ہونے کے باوجود آئینی طور پر ایک سیکولر ملک ہے۔ بہت سے مسلمان ملکوں کی مثال دے سکتا ہوں۔ مگر اسکے لیے بہت زیادہ وقت اور لکھنے کا عمل چاہیے جو بہر حال کالم کی گرفت سے باہر ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمارا ملک جو مکمل طور پر 1977 تک ایک ترقی پسند معاشرے کے طور پر پھل پھول رہا تھا، ایک دم منقی فکری انقلاب کا شکار ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں دہشت گردی کا نشان بن گیا۔ یہ نکتہ فکر طلب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ نے ہمیں تشدد پسندانہ رویے پر مائل بلکہ قائل کیا اور اپنے فائدے کیلئے جہاد پر لگا دیا۔ مگر یہ تو صرف آدھا جھ اپنی مرضی سے دنیا بھر کے مجاہدین کی تربیت گاہ بنائی۔ تب جا کروہ بھیا نک معاملہ شروع ہوا جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ حکومت پاکستان کی مرضی کے بغیر ہوا تھا۔ صاحبان ہر گز ہر گز نہیں۔ ہم اپنی مرضی سے، اپنے ہی ملک کے خلاف استعمال ہوئے ہیں۔ اسکا کفارہ آج تک ادا نہیں کیا جا سکتا۔ نتیجہ یہ کہ پوری دنیا ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اور انکا طرزِ عمل جائز ہے۔ اگر یہ عرض کیا جائے کہ ہمارے ریاستی معاملات میں مذہب کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے تو قیامت آ جائیگی۔ کیونکہ ہم تدبیر اور سوچنے کی صلاحیت سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ دلیل سے بات کرنے والوں کو خاموش کرنا بھی بہت آسان ہے۔ گزارش کروں گا کہ ہم اپنے انقلابی مذہب کی تمام

تعیمات کو عملی طور پر پڑھیں تو ایک سنجیدہ عملی راستہ نکل سکتا ہے۔ اگر یہ عرض کروں کہ ہمارا مذہب آفاقتی اصولوں پر قائم ہے تو یہ مکمل طور پر درست نکتہ ہے۔ مگر کیا یہاں کوئی جرات کر سکتا ہے کہ صرف پوچھ لے، کہ دنیا کے اکثری مسلم ممالک تو آئینی طور پر سیکولر ہیں۔ یعنی وہاں ریاست پر کسی بھی مذہب کی چھاپ نہیں تو یہاں طوفان کھڑا ہو سکتا ہے۔ دلیل کوتاریخی لوریوں کے ذریعہ قتل کیا جا سکتا ہے۔ مگر 1977 سے پہلے یہ صورتحال نہیں تھی۔ پاکستان مکمل طور پر دنیا کے ہر ترقی یافتہ ملک کے شانہ بشانہ چل رہا تھا۔ یہاں قدرے فکری اور سماجی آزادی میسر تھی۔ دوہی، قطر، ابوجہی، ایران، افغانستان کے لوگ چھیباں گزارنے کراچی اور لاہور آتے تھے۔ افغانستان بذات خود ایک انہائی پُر امن، جدید اور متوازن ملک تھا۔ خواتین سر پر سکارف بھی لیتی تھیں اور سکرٹ بھی پہننی تھیں۔ کوئی جواب بم دھماکوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہاں بچیاں سائیکلوں پر سکول جاتی تھیں۔ کیا آج کے افغانستان اور پاکستان میں یہ سوچا جا سکتا ہے۔ بالکل نہیں۔ جو قوم ملالہ یوسف زئی پر اسلیے تنقید کرتی ہے کہ آسفسورڈ یونیورسٹی میں پہلے دن اس نے غیر روایتی لباس پہننا ہوا تھا۔ یعنی پینٹ، شرٹ۔ اسکی ذہنی حالت پر صرف افسوس کیا جا سکتا ہے۔ کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس دن بھی اس لڑکی نے دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا۔ مگر بحث پینٹ اور شرٹ پر ہے۔ کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ لاہور، کراچی اور اسلام آباد کے امیر علاقوں میں بچیاں مکمل طور پر مغربی لباس عام پہن رہی ہیں۔ کسی کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ کسی نجی یونیورسٹی میں چلے جائیں۔ آپکو نوے فیصد بچیاں مغربی لباس میں نظر آئیں۔ اسلیے کہ ثقافت ہمیشہ وقت کے تابع ہوتی ہے۔ آپ اس تبدیلی کو روک نہیں سکتے۔ اگر وہیں گئے تو صرف اور صرف وقت اور توانائی بر باد ہو گی۔ معاملات وہیں کے وہیں رہنے گے۔

قطعًا عرض نہیں کر رہا کہ معاشرہ میں مذہب اور مقامی روایات کو پس پشت ڈال دیں۔ مگر ایک توازن اختیار کرنا ضروری ہے۔ آج کے دور میں سماجی، مذہبی، علاقائی اور ثقافتی توازن کی مثالیں ترکی، ملیشیا، الجیریا، اردن، موروکو اور برنائی ہیں۔ آج بھی سمجھتا ہوں کہ پاکستان دس میں مسلمان ممالک کا قائد بن سکتا ہے۔ مگر ضرورت پرانے پاکستان کی ہے جو ملک بنانے والوں کی فکر کے مطابق تھا۔ بھرپور توجہ سعودی ولی عہد کی حالیہ پالیسی بیان کی طرف بھی دلاتا ہوں۔ جس میں محمد بن سلمان نے کہا ہے کہ وہ اپنے ملک کو Moderate اسلام کی طرف لیکر جائیں گے۔ جان بوجہ کر انگریزی لفظ کا ترجمہ نہیں کیا۔ ولی عہد نے یہاں تک کہا ہے کہ نے سعودی عرب میں پر تشدید خیالات کی کوئی جگہ نہیں ہو گی۔ یہ اس ملک کا ولی کہہ رہا ہے جہاں سے ہمارے بنا پرست گروہ، اپنی طاقت کشید کرتے ہیں۔ اگر سعودی عرب جیسا ملک اب اپنی مذہبی پالیسی بدلنے پر مجبور ہو گیا ہے، تو کیا یہ سب کچھ ہمارے لیے "المَفْرِيَة" نہیں۔

راو منظر حیات